فوزیہ انوار
ریسرچ اسکالر پی ایچ۔ڈی اردو

ابوالفضل صدیقی کے افسانوں میں منفی کردار

Abstract

Abul Faza siddiqui l was a famous essayist and novelist as well as a Humanist and free-thinker. A versatile and prolific writer, he drew his characters from the rural and feudal environment and portrayed them with engaging realism. Abul Fazal wrote in a variety of genres: novels, short stories, plays, memoirs, travels etc. Abul Fazal Siddiqui's description of the vagaries of the feudal system is hauntingly realistic. His love and sympathy for the poor and emaciated people is evident from his writings. It can be said without any fear of contradiction that the writer had close links with the harsh realities of an unpredictable life and fast changing conditions of the environment. Through his negative characters he constantly and faithfully portrayed the rural spirit, the problems and drawbacks of the rural society. His negative characters, environment and even the language that his characters speak are a true depiction of life.

ابوالفضل صدیقی ایک مخصوص طرز تحریر کے حامل افسانہ نگار ہیں۔ان کے نمایاں موضوعات میں جاگیرداری کلچر کی مخصوص اقدار،محلاتی سازشیں،سیر،شکار اور عیش پرست رئیس زادوں کے رومان نظر آتے ہیں۔ان کے افسانوں میں دیہات کی عکاسی بہت بھر پور انداز میں نظر آتی ہے۔انہوں نے دیہات کی تہذیب کو تمثیلی افسانوں کے ذریعے پیش کیا۔لیکن اولیت انسانوں کو ہی حاصل رہی۔محمد حسن عسکری لکھتے ہیں:

''ادبی زبان اور بول چال کی زبان دونوں میں مہارت حاصل ہے۔زبان و بیان کے اعتبار سے بھی چند ہی افسانہ نگار ان کے مقابلے میں آسکتے ہیں''(۱)

ابوالفضل صدیقی کے افسانوں میں کردار ٹھیکیدار،کسان،جاگیردار،بنیے،جولاہے،وید،حکیم وغیرہ کے روپ میں نظر آتے ہیں یہ ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے اپنے کرداروں کا چناؤ اپنے اردگرد سے کیا۔انہوں نے بہت سے ایسے کرداروں کو متعارف کروایا جو اردو افسانے کے جیتے جاگتے کردار بن گئے ہیں۔جزئیات نگاری میں ابوالفضل صدیقی کا کوئی ثانی نہیں ان کی نظر ایسے ایسے گوشوں تک پہنچتی ہے جو عام نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں۔ان کا مشاہدہ عمیق اور نظر وسیع ہے انہوں نے زندگی کے بے شمار رنگ دیکھے اور یہ سب ان کے

افسانوں میں نظر آتے ہیں۔ان کے ہر افسانے کی بنیاد کسی نہ کسی چشم دیدہ واقعے پر ہوتی ہے۔شمیم احمد لکھتی ہیں:

''ان کی طرز تحریر میں اردو ادب کے کئی دھارے ایک ساتھ مل کر بہتے ہیں۔ان کی تحریر میں ایک امنڈتے ہوئے دریا کی روانی ہے جو طلسم ہوشربا اور محمد حسین کی نثر کا بہترین وصف ہے''(۲)

اگر چہ بظاہراً ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ نوابی کلچر کے نوحے پڑھ کر جاگیرداری اور زمینداری کے ملبے پر بیٹھی اشرافیہ کے پرشکوہ ماضی کو بیان کرر ہے ہیں لیکن باطنی طور پر صاف ظاہر ہے کہ ان کا نقطہ نظر انسانیت کے حق میں اور سماج کو تبدیل کرنے والا ہے۔وہ ایسی دنیا کے عکاس ہیں جہاں ذہن آسودہ ،جسم پیاسا،سماج کھوکھلا ،دین اور اخلاقیات ریاکار ہیں۔ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

''ابوالفضل کی قوت مشاہدہ ،جزئیات نگاری ،دیہات میں مختلف طبقات کی بولیوں اور داستان طرازی کے ساتھ تاریخی اور سماجی شعور انہیں منفرد افسانہ نگار بنا دیتی ہے''۔(۳)

ان کے افسانوں میں منفی کردار جا بجا نظر آتے ہیں۔جو انسانی نفسیات کے مختلف گوشوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔اور انسانی زندگی کی طاقت ،پستی ،رذالت ،بےحسی ،مظالم ،خودغرضی کی کہانی سناتے ہیں۔

ابوالفضل صدیقی کے درج ذیل افسانوی مجموعے شائع ہوئے۔

ا۔اہرام(۱۹۴۵ء)،۲۔انصاف(۱۹۸۶ء)،۳۔آئینہ(۱۹۸۶ء)،۴۔جوالا مکھ(۱۹۸۶ء)،۵۔دن ڈھلے(۱۹۹۴ء)،۶۔ ستارو ں کی چال(۱۹۹۵ء)،۷۔شکنجہ(۱۹۹۹ء)،۸۔دفینہ(۲۰۰۷ء)،

ابوالفضل صدیقی کے افسانوں کے اہم منفی کردار درج ذیل ہیں۔

کالج کی انتظامیہ:۔

یہ کردار افسانوی مجموعہ''آئینہ'' میں شامل افسانہ''آئینہ'' کے ہیں۔مسز روبینہ قادر ایک نیک دل ،امیر اور لائق خاتون تھی۔جو ساری عمر اپنی کم شکلی کی وجہ سے لوگوں کے برے رویے کا شکار رہی۔اپنے شوہر کے مرنے کے بعد اس نے اپنا وقت اچھے طریقے سے گزارنے کے لیے شہر میں موجود ایک اسلامیہ ہائی سکول کو کالج بنانے کی شرط پر اپنی معقول آمدنی وقف کی اور ساتھ ہی ہفتے میں اٹھائیس گھنٹے انگریزی لٹریچر پڑھانے کے لیے اپنی ذاتی خدمات بھی پیش کیں۔سکول کی مجلس عامہ،صدر اور سیکرٹری نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔مسز قادر نے بچوں کو بہت محنت اور جانفشانی سے پڑھایا جس کہ وجہ سے بچے اس کا بہت احترام کرنے لگے اور اسے ہر دل عزیز استادوں میں شمار کرنے لگے۔اپنے شوہر کی برسی پر مسز قادر نے ایک خطیر رقم غریب طلباء کی امداد کے لیے وقف کر دی۔کالج کے لیے اس عطیہ کے اعلان نے طلباء کے دلوں میں اس کی قدر دو چند کر دی لیکن سکول کی انتظامیہ نے اسے اپنے لیے ایک خطرہ کے طور پر محسوس کیا۔انہوں نے سوچا:

''وہ پہلے ہی بے حد اثر پا چکی تھی۔لہذا اس کی ایک ذرا سی آزردگی جو سٹاف کی ممبر اور کالج کی مالی سرپرست ہونے کے سبب عاملہ کے اور اس کے درمیان ہو جانا کسی وقت بھی ممکن تھا۔طلبا میں بےچینی کا باعث ہو سکتی تھی۔جس کے نتیجے میں ان کی چودھراہٹوں میں خلل واقع ہو

سکتا تھا‘‘(۴)

اور انہیں اندیشہ ہوا کہ جدید عطیہ اس کے اثر کو طالب علموں میں مزید استحکام دے گا اور یہ بات کبھی ان کے مفاد اور کبھی پالیسوں کے خلاف جاسکتی ہے تو مجلس عامہ نے بالاتفاق رائے سے ایک ریزویشن پاس کیا۔جس کے تحت مسز قادر کو باضابطہ حکم نامہ جاری کیا گیا۔جس کے تحت:

> ’’اس کو نہ صرف عطیات کو براہ راست طلباء میں نامزد کرنے سے روکا گیا۔بلکہ عطیات کا اعلان کرنے سے بھی باز رکھا گیا۔اور اعلان کرنے سے قبل مجلس عامہ یا کم سے کم صدر سیکرٹری سے اجازت لینے کی ہدایت کی گئی۔.....اور طلباء میں تقسیم کرنے سے زیادہ کوئی اور مداہم ہو تو اس میں عطیہ کو استعمال کرنے کی حسب صوابدید خود صرف انتظامیہ ہی اپنے طور پر مجاز تھی‘‘۔(۵)

چنانچہ مسز قادر نے اس صورتحال سے دل برداشتہ ہوکر کالج کی مالی امداد سے ہاتھ کھینچ لیا۔لیکن بچوں کی غائبانہ امداد جاری رکھی۔ کالج کی انتظامیہ اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ،بچوں کی فلاح و بہبود کو نظر انداز کرنے اور خلوص نیت سے معاشرے میں اچھائی کو فروغ دینے والوں کی حوصلہ شکنی کرنے کے باعث منفی کرداروں میں شامل ہیں۔

بندہ علی:۔

یہ کردار افسانوی مجموعہ ’’آئینہ‘‘ میں شامل افسانہ ’’پھیر‘‘ کا ہے۔’’بندہ علی‘‘ میر صاحب سید سردار علی شاہ کی ایک چماری ملازمہ سے ناجائز اولاد تھی۔بڑھاپے میں میر صاحب کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔جس کا نام انہوں نے مولا علی رکھا۔اور اپنی ساری جائیداد اس کے نام کردی۔مولا علی صرف دو سال کا ہی تھا کہ میر صاحب کا انتقال ہوگیا۔اس کے سوتیلے بڑے بھائی ’’بندہ علی‘‘ کو اس کے جوان ہونے تک اس کا سرپرست اور نگران مقرر کر دیا گیا۔جو کہ ہر ماہ خرچ کا حساب کتاب جج کو دکھانے اور بچت مولا علی کے نام بنک میں جمع کروانے کا پابند تھا۔لیکن بندہ علی نے کچھ عرصہ بعد اپنے چھوٹے بھائی کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔اور خود ساری دولت جائیداد کا مالک بن گیا۔اس کے مخالفوں نے اس کو مولا علی کو زہر دے کر ہلاک کرنے کے جرم میں گرفتار کروادیا لیکن وہ اپنی طاقت کے زور پر بے گناہ ثابت ہوکر ایک مہینے کے اندر ہی واپس آ گیا۔کہنے والے کہتے تھے کہ:

> ’’بندہ علی نے پولیس کو بھر دیا! کیمکل اگزامر کو بھاری رقم دی اور رپورٹ میں سبب موت ہیضہ لکھوادی‘‘۔(۶)

واپس آ کر اس نے مولا علی کا چالیسواں بہت دھوم دھام سے کروایا۔اور خود پنچائیت اور گاؤں کے سرکردہ فرد حاجی میاں کی ناجائز بیٹی سے شادی کر لی۔اور انتقاماً اپنے زمینداروں کو جو مولا زادے کہلاتے تھے اور اپنی مخالفت کرنے والے چماروں کو سزا دینے کے لیے منشی کمال شیر خان کی مدد سے ان کو موروثی کاشت کاری سے بے دخل کر کے انتہائی ذلت کے ساتھ انہیں زمینوں پر بیگار کرنے پر مجبور کر دیا۔بلکہ اس نے اپنی تذلیل کا بدلہ لینے کے لیے منشی شیر خان کو پوری شہہ دی کے وہ ان کو سختی سے دبائے۔اور جب زمیندار اور چمار اس کے پاس اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی فریاد لے کر آئے تو تو اس نے ان کو ماضی میں کی جانے والی غلطیوں کا احساس دلا کر بھگا دیا۔

اپنی بے حسی، مکاری، لالچ، ظلم اور کینے کے باعث بندہ علی منفی کرداروں میں شامل ہے۔

منشی شیر کمال شیر خان:۔

یہ کردار بھی فسانہ ''پھیر'' کا ہے شیر علی ایک ظالم، چالباز اور مکار شخص تھا۔ افسانہ نگار اس کا تعارف افسانے میں یوں کرواتا ہے کہ اس کے جملہ کرداری اوصاف کھل کر سامنے آجاتے ہیں:

> ''اپنے ضلع کی مانی ہوئی واحد مرد آہن کی علامت اور اس پاس کے اضلاع کی جانی مانی شخصیت .....وہ خود ساختہ لوگ تھے۔ جنھیں ایک آدمی نہیں بلکہ.....شر کا ایک ادارہ کہتے ہیں.....وہ جگہ جگہ معیشت منفی تجربوں کی مدد سے پہچانے جاتے۔ کہیں ظلم، دہشت، بربریت، استحصال، بالجبر عیاری، بے ایمانی، دھوکا دہی ..... مالا مال خیال کیے جاتے.....ان کے سچے دوست مفقود کی حد تک کم اور دشمن زیادہ تھے'' (۷)

منشی کمال شیر خان پہلے حاجی میاں کا دست باز و تھا اور اس کے لیے غلط کام سرانجام دے کر اس کا مختار عام بنا ہوا تھا۔ وہ حاجی میاں کے لیے کچھ اس طرح کی خدمات انجام دیتا تھا:

> ''قبضہ اور دخل کے معرکے سر کرنے میں ہاتھی اور گھوڑوں پر سوار ہو کر دہشت اور رعب بٹھانے کے لیے یلغار منشی جی نے دن دیہاڑے مخالفوں کی بستیاں پھونک کر زیر کیا۔ دعوے دار فریق مخالف کے خاص آدمیوں کو پکڑوا پکڑوا کر ایسی جوتے کاریاں کرائیں کہ کانوں کے پردے تک پھٹ گئے.....جس نے اس کے سامنے قانون بگھارا اس کے منہ میں پیشاب کرا دیا....جو گردن اٹھا کر چلتے دیکھا اس کو اسی کی چوپال پر کھڑے نیم میں لٹکوا کر نیچے سے دھونی دی.....مال اور فوج داری کے وکلاء عدالت کے دلال اور جعل سازوں سے بھی کام لیے.....نہایت کامیاب اور مفید مطلب مقدمہ سازی کے فن میں بھی مانے ہوئے استاد تھے جس میں وہ ہمیشہ فوج داری کے قانون سے مال کی گتھیاں سلجھایا کرتے.....بنا بنایا کیس گھر بیٹھے ہاتھ آتا اور ساتھ میں آمدنی ہی آمدنی لاتا''۔ (۸)

منشی جی کی عیاری، ظلم اور بے حسی کی یہ انتہا تھی کہ ایک دفعہ وہ مخالف فریق پر ضرب شدید کا کیس کروانا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں وہ اپنے فریق کے ایک کسان کی ہڈی توڑ رہے تھے لیکن وار غلط پڑنے پر وہ شخص موت کے منہ میں چلا گیا اور منشی جی کے ہاتھ میں ضرب شدید کی بجائے قتل سنگین کا کیس آ گیا اور انہوں نے فوراً چشم دید گواہ پیش کر دیئے۔ علاقہ کی نشاندہی کروا کر پچیس مخالف آدمیوں کو گرفتار کروا دیا۔ دوسرے تیسرے درجے کے مخالفوں کو دبا کر پولیس کی جیبیں بھروا دیں۔ بلکہ اکثروں سے مال وصول کر کے مختلف دوسرے مقدموں میں اپنے حق میں بیان بھی دلوائے۔ اور مخالفوں کی ایک کثیر تعداد کو سزا اور جرمانے کے عذاب سے دوچار کروا کر اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل کیے۔ منشی جی کے ظلم کی انتہا اس وقت دیکھنے میں آتی ہے جب ایک چمار پر کھوتا کو اپنی برادری کو مہاجن کے کھیتوں میں کم بیگار پر کام کے لیے راضی کرنے کی کوششوں میں منشی جی اس کو اپنے ڈیرے پر لا کر دھمکانے اور ننگا کر کے سزا دینے میں کامیاب نہ

ہو سکے تو اپنے لٹھ برداروں کی فوج کو لے کر اس کے مکان پر حملہ کر دیا لیکن پرکھوتا اپنی بیوی کو ساتھ لے کر بھاگ گیا۔اور پیچھے اپنی کم سن بیٹی کو چھوڑ گیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ گاؤں کے رواج کے مطابق بیٹی کی عزت گاؤں کی عزت ہوتی ہے۔لیکن منشی جی اس بچی کو سر بازار ننگا کر کے اور رسے سے باندھ کر اپنے ڈیرے پر ہانک کر لے گئے۔اپنی بے حسی، مکاری، غلط کاری اور معاشرتی قوانین کی پامالی کے باعث منشی جی کا شمار منفی کرداروں میں ہوتا ہے۔

فقیرا:۔

یہ کردار افسانوی مجموعہ ''دن ڈھلے'' میں شامل افسانہ ''ریوڑیوں کا کھیت'' کا ہے۔فقیرا ایک جاگیردار کا نوکر تھا جسے اس نے اپنے بوڑھے ذہنی پسماندہ باپ کی خدمت کے لیے مامور کیا تھا۔فقیرا سارا دن بوڑھے جاگیردار کے ساتھ رہتا اور اس کی ضروریات کا خیال رکھتا۔بوڑھے جاگیردار کے بیٹے ماجد میاں نے اپنے باپ کا خرچ روز ایک روپیہ مقرر کر رکھا تھا اور منشی کو تاکید کی تھی کہ سب سے پہلے ہر روز فقیرا کو ایک روپیہ دے پھر کوئی اور کام کرے۔کیونکہ اس کے باپ کا روزانہ کا خرچ ایک روپیہ تھا۔جس میں سے وہ ریوڑیاں، کباب اور چاٹ خریدتا باقی پیسوں میں سے دو دو پیسے اپنے دوستوں کو دیتا۔جن میں اس کے پوتے پوتیاں اور ارد گرد کے ایک دو بچے شامل تھے۔ فقیرا میں لالچ کا عنصر بہت زیادہ تھا وہ ایک روپیہ لے کر اس میں سے روز دو آنے اپنے پاس رکھ لیتا چھ آنے کی ریوڑیاں لے کر دے دیتا۔ فقیرا اس قوم سے تعلق رکھتا تھا جس قوم کا ہر فرد بقول افسانہ نگار:

> ''تیرہ آنا میں روپیہ بھنا کر آقا کو نہایت بامحاورہ اردو میں سوا انیس آنہ کا حساب سناتا ہے۔اور ہر ہندوستانی گھر کا جزو لاینفک اور رؤسا کا تو اعضائے رئیسہ بن کر رہتا ہے۔اور خاص دان سے لے کر افیم کی ڈبیہ تک اور ساگودان کے پیالے سے بریانی کی قاب تک ہر جگہ روپیہ میں بارہ آنے کے شریک ہوتے ہیں''۔(۹)

چنانچہ فقیرا ہر وقت دوسرے ملازموں کی اوپر کی کمائی کا حساب لگا کر کڑھتا رہتا کہ ہر کوئی دو تین روپے روز کے لیتا ہے جبکہ وہ صرف دو آنہ ہی کماتا ہے۔اسی خیال کے تحت فقیرا نے اوپر کی کمائی کے لیے معصوم بڑے میاں کو استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا اور بڑے میاں کی کمزوری ریوڑیاں تھیں چنانچہ اس نے ان کو ترغیب دی کہ ریوڑیوں کا کھیت کاشت کیا جائے تاکہ وہ بہت زیادہ ریوڑیاں کھا سکیں۔ اور اس مقصد کے لیے بڑے میاں کو اپنی بہو سے وقتاً فوقتاً پانچ روپے کی رقم لانے کے لیے بھیجا تاکہ ریوڑیوں کی کاشت ہو سکے۔بعد میں فقیرا نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے ''بڑے میاں'' کو مٹر کی فصل ریوڑیوں کی فصل کے نام پر دکھا دی۔جب بڑے میاں کا اشتیاق بہت زیادہ بڑھ گیا تو اس نے مکاری سے ماجد میاں کے دنبے کو مٹر کی فصل کھلا کر بڑے میاں کو کہہ دیا کہ بھیں بھیں نے ریوڑیوں کی ساری فصل کھا لی۔بڑے میاں اپنی سادگی اور معصومیت کے باعث یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے واویلا مچا دیا۔جس نے فقیرا کی چوری بددیانتی ظاہر کر دی۔فقیرا کے نمایاں منفی کرداری اوصاف اپنی مکاری، عیاری، دھوکا دہی، جھوٹ، لالچ اور خود غرضی ہیں جو اسے منفی کرداروں میں شامل کرتے ہیں۔

چودھری:۔

افسانوی مجموعہ ''دن ڈھلے'' میں شامل افسانہ ''چھلانگ'' کا چودھری بھی منفی کرداروں میں شامل ہے۔پانچ گاؤں جو کہ قریب

قریب آباد تھے ان کا سربراہ چودھری تھا۔ یہ بظاہراً بہت نیک اور عبادت گزار شخص تھا ان پانچوں گاؤں کی کھیتی باڑی پر اس کا مکمل کنٹرول تھا درحقیقت وہ ساہوکار کی طرح کسانوں کا خون چوس رہا تھا۔ کھیتوں سے سب سے پہلے غلہ چودھری کی دسترس میں آتا۔ وہ اپنا حصہ نکال کر اور اپنا قرضہ وصول کرنے کے بعد جو باقی بچتا وہ کسانوں کو دیتا تھا۔ اور غلہ کا زیادہ حصہ بٹورنے کے لیے اس نے بہت سے طریقے رائج کر رکھے تھے۔ افسانہ نگار اس کے کسانوں کے استحصال کے طریقوں کو یوں بیان کرتا ہے:

''چودھری کل ڈھیر میں سے پہلے اپنا دھرم کا آدھا باٹوں کے ساتھ حج کی بٹیا چڑھا کر تلواتا پھر کاشت کے بغیر نصف میں سے چودھری کا قرضہ ادا ہوتا۔ جو بیج اور کھاد کی شکل میں کاشت کار تیاری فصل کے دوران لیتا رہتا.....کاشت کار کھلیان سے کھیتوں تک پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا.....فصلوں کی تیاری سے وصول تک مجال کیا جو پرندہ پر مار جائے.....اور کھڑے کھیت بھرے کھلیان کسی کسان کی مجال نہ تھی جو ''مٹھے دو مٹھے'' ہولے یا دو چار پھنکے چنے لگا لے۔ پہلے تو آدھیت پر چودھری ہوتا اور بقیے آدھے پر چودھری کا قرضہ بار ہوتا اور چودھری کا نیا قرضہ جیٹھ کے دسہرے کی پہلی بھرن پڑتے ہی شروع ہو جاتا'' (۱۰)

غلہ جمع کرنے کے لیے چودھری کے بزرگوں کے زمانے سے بڑے گودام جونری اور بھونرا موجود تھے۔ اس کے علاوہ چودھری نے غلہ کی مد میں اضافہ ہو جانے کی وجہ سے کئی نجاریاں بھی تعمیر کروائی ہوئی تھیں۔ چودھری کے بزرگوں کے زمانہ میں تو سارا غلہ جونری اور بھونرا میں جمع ہوتا اور وہیں سے تقسیم ہوتا تھا لیکن اس ہوشیار اور عیار چودھری نے اپنا ہی نظام واضع کر رکھا تھا۔ وہ جونری اور بھونرا میں تو صاف ستھرا غلہ جمع کرتا اور نجاریوں میں غلہ کی صفائی سے نکلنے والا بقایات جات اور موٹا اناج بھر لیتا۔ اور اسی کی تقسیم سے اپنے زبردست گاؤں والوں کو پالتا تھا۔ چودھری نے گاؤں والوں کے استحصال کے بہت سے طریقے واضع کر رکھے تھے۔ وہ ہمدردی اور مدد کی آڑ میں گاؤں والوں کو تمام مذہبی تہواروں پر غلہ قرض کی صورت میں دیتا۔ اور اگر کسی کسان کی فصل بہت اچھی ہوتی تو اس کو پنڈت کی ملی بھگت سے نوجوان بیٹے یا بیٹی کی شادی کی تاریخ دلوا کر شادی کے لیے اپنی ہونے والی فصل کی بنیاد پر قرض لینے پر مجبور کروا دیتا اور اگر کسی کسان کا بیٹا یا بیٹی بیاہنے لائق نہ ہوتا تو پنڈت کے ذریعے ''کتھا کیرتن'' رکھوا دیتا اور یوں بچارہ کسان برہمنوں کو کھانا کھلانے اور خدمت کرنے کے لیے قرض غلہ لینے پر مجبور ہو جاتا۔ اور ان کاموں کے عوض چودھری پنڈت جی کی خوب خدمت کرتا۔ صرف یہی نہیں چودھری موت ہو جانے کی صورت میں بھی اپنے لوگوں کی مدد کرتا تھا۔ لیکن اس کے لیے بھی اس کا طریقہ کار بہت خودغرضانہ تھا۔ وہ فوراً فصل کا اندازہ لگواتا اور اگر تو فصل اس قابل ہوتی کہ وہ سارے بقایا جات ادا ہونے کے بعد کفن کا خرچ برداشت کر سکتی تو چودھری اس کو کفن کی قیمت کا غلہ دے دیتا اور اگر زیادہ اچھی ہوتی تو تیرہویں اور آگے کی رسومات کے لیے بھی غلہ مل جاتا لیکن اگر فصل سابقہ ادائیگی کے بعد کفن کا خرچ نہ نکال سکتی تو چودھری کمال مہربانی سے اپنے باغ سے کیلے کا پتہ دے دیتا تاکہ کفن پوشی ہو سکے۔ اور چودھری کی نیکیوں اور احسان تلے دبے ضعیف العقیدہ لوگ یوں اظہار خیال کرتے:

''ارے بھیا کچھن تو پرالید (تقدیر) کے ہاتھ ہے''

''ہوں جو چودھری بیچارہ کیا کرے! جب پرالید میں کچھن لکھا ہوتا تو کھیت ہی بہت اچھا اٹھتا''

''اوراب بھوت بن کے اگلی پھسل (فصل) تک کیلا کے درنے (درخت) پہ چڑھے
راہن گے''(۱۱)

اوراتنی محنت مشقت کے بعد بھی لوگ چودھری کے استحصالی نظام کی وجہ سے انتہائی تنگ دستی میں گزراوقات کرنے پر مجبور تھے۔انہیں خودغرضانہ،ظالمانہ استحصالی رویوں کے باعث چودھری کا شمار منفی کرداروں میں ہوتا ہے۔

ٹھکرائن:۔

یہ کردارافسانہ ''چراگاہ کے بھوت'' کا ہے جوافسانوی مجموعہ ''دفینہ'' میں شامل ہے۔یہ چالاک اور مکارعورت کبیر سنگھ کی بیوی تھی۔کبیر سنگھ کا بھائی اور بھاوج اپنے دوبچوں بھولاسنگھ اور تاراسنگھ کو چھوٹی عمر میں چھوڑ کر وفات پا گئے تھے اور یہ دونوں بچے کبیر سنگھ کی سرپرستی میں آ گئے تھے اس کے ساتھ ہی ان کے باپ کی جائیداد بھی اس کے پاس آ گئی تھی۔کبیر سنگھ اگرچہ بے اولادتھا لیکن اس نے اپنے بھتیجوں کو ملازموں سے زیادہ اہمیت نہ دی اور یہی حال اس کی بیوی کا تھا۔وہ ان دونوں کو نوکروں کی مانند سارا دن کام پر لگائے رکھتی اور ڈانٹ ڈپٹ رہتی۔کبیر سنگھ بھی اپنی بیوی کی خوشنودی کے لیے اپنے سگے بھتیجوں سے ظالمانہ سلوک کرتا لیکن اپنی بیوی کے بھانجے،بھتیجوں کو سرآنکھوں پر بٹھاتا تھا۔ٹھکرائن کیونکہ بے اولادتھی اور وہ جانتی تھی کہ کبیر سنگھ کے مرنے کے بعد یہ وسیع جائیداد اس کے دونوں بھتیجوں کو مل جائے گی چنانچہ اس نے دونوں یتیم لڑکوں کو گھر سے نکالنے کے لیے منصوبہ بندی کی اور اپنے شوہر کو ان کے خلاف خوب بھڑکایا۔ٹھکرائن نے خراب گوشت لانے پر پہلے تو بھولاسنگھ اور تاراسنگھ کو خوب مارا اور گالیاں دیں بعد میں دونوں لڑکوں پر الزام لگاتے ہوئے کبیر سنگھ سے کہا:

''ہمارا تمھارا نباہ نہ ہوگا ٹھاکر۔آج تمھارے بھتیجوں نے ہماری آبرو لے لی اور اپنی رنڈی سے سینکڑوں جوتے لگوائے اور خود لاٹھیوں سے اپنے گھر میں گھیر کر مارا ہے۔اب ہمارے جیون کے درپے ہے''(۱۲)

کبیر سنگھ نے بیوی کی باتوں کو سچ مانتے ہوئے اپنے بھتیجوں کو خوب لتاڑا اور وہ بے چارے چاچا کی باتیں خاموشی سے سنتے رہے۔ٹھکرائن نے اسی پر بس نہ کی بلکہ اگلے دن تاراسنگھ جو بھینسوں کو چرانے لے جاتا تھا اس کو اپنی بھینس لے جانے سے روک دیا اور کہا:

''جوان مرے میری بھینس کو ہاتھ لگایا تو کھوپڑی توڑ دوں گی نکل یہاں سے''(۱۳)

اور جب کبیر سنگھ نے آ کر پوچھا کہ بھینس کیوں نہیں چراگاہ گئی تو ٹھکرائن بڑی عیاری اور مکاری سے بولی کہ دیکھ لیے اپنے بھتیجے کے کرتوت اوراس کر بدظن کرنے کے لیے بات کو خوب گھما کر یوں بیان کیا:

''میں نے کہا بیٹا تارو! آج ہماری بھینس نہیں کھولیں تو ٹھاکرو (ہنس کہ) کہتے لاج بھی معلوم ہوتی ہے۔میں پانی پانی ہوگئی۔جوان مرا بولا''تارو کیا تمھاری اماں کے خصم ہیں یا تمھارے باپ کے نوکر،آئی نٹنی وہاں سے باتیں مارتیں۔''اس پر میں نے کہا''تو پھر ہماری گھاس پر اپنی بھینسیں نہ لے جانا''۔تو اس پر وہ بولا کہ''تیرے خصم کی گھاس ہے،جس میں ہمت ہو روک لے''(۱۴)

اور یوں ٹھکرائن نے اپنی مکاری اور جھوٹ سے کبیر سنگھ کو بھتیجوں کے خلاف زہر سے بھر دیا اور اس نے نہ صرف دونوں بھتیجوں کو مارا بلکہ ان کی بھینسیں بھی کانجی ہاوس میں پہنچا دیں اور گاؤں والوں کو ان سے لین دین سے منع کر دیا۔ کبیر سنگھ کے بھتیجوں کو پرے کرنے کے بعد ٹھکرائن نے اپنی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے خاص آدمی کو میاں کے پاس بھیجا اور اور پیش کش کی کہ دس روپیہ بیگھ کے حساب سے نذرانہ کے عوض کبیر سنگھ کی مورثی زمین میں اس کے بھتیجوں بیر سنگھ اور جبیر سنگھ کو شریک کاشت کار تسلیم کر کے باقاعدہ سرکاری کاغذات میں اندارج کرا دیں۔ اپنی خودغرضی، بدزبانی، سازشیں رچانے اور جھوٹ کے باعث ٹھکرائن کا شمار منفی کرداروں میں ہوتا ہے۔

مسجد کا پیش امام، سجادہ نشین اور بھگت:۔

یہ تمام کردار بھی افسانہ ''چراگاہ کے بھوت'' کے ہیں۔ یہ تمام جھوٹے اور منافق لوگ ہیں۔ جب کبیر سنگھ کو چراگاہ میں اس کے بھتیجے بھوت بن کر ڈرا دیتے ہیں اور وہ اس خوف کے باعث بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے تو ان لوگوں کو بھوت اتارنے کے لیے بلایا جاتا ہے۔ یہ سب مختلف ڈرامے رچاتے ہیں اور ٹھکرائن سے کافی پیسہ بٹورتے ہیں۔ خوب خدمتیں کرواتے ہیں۔ لیکن ٹھاکر کی حالت غیر ہوتی دیکھ کر چلنے کی تیاری کرتے ہوئے ملا، پیر اور سجادہ نشین کہتے ہیں:

> ''بھوت بہت زبردست ہے۔ اور ہم کو اس کی سرکوبی کے لیے شاہ جنات کو تکلیف دینا پڑے گی۔ ان کی دعوت کا سامان نہایت ضروری ہے۔ لہذا فرمایا کہ سات سفید بکرے جن کے جسم ایک بھی دھبا رنگ کا نہ ہو اور اکیس سفید مرغ ایک ہی عمر کے، سوا من پچرنگی مٹھائی دس سیر سرخ گائے کا گھی اور پانچ پانچ تولہ عنبر، مشک اور زعفران ان کے لیے ایک وقت کے کھانے کے لیے درکار ہوگا'' (۱۵)

لیکن اشیا کی فراہمی مشکل ہونے کی صورت میں ان چیزوں کی قیمت لے کر رخصت ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سیانے اور بھگت نے بھی بھوت کی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے ایک بڑے ہوون کے سامان کی لسٹ دی اور وہ بھی سامان کا خود انتظام کرنے کے لیے پیسے لے کر رخصت ہو گئے۔ اپنی مکاری، جھوٹ، اور مذہب کا اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی وجہ سے ان تمام کرداروں کا منفی کرداروں میں شمار ہوتا ہے۔

دیگر منفی کردار:۔

افسانہ ''مفردات خصوصی'' میں بنیے کی لڑکی جو اپنے گھر کے کہار کے ساتھ ناجائز تعلق استوار کر کے اس کے ترغیب دینے پر باپ کی تجوری میں سے ایک بھاری رقم لے کر بھاگ گئی۔ راستے میں کہار کے دھوکا دینے پر اپنے ہم سفر ''حکیم جی'' کے ساتھ پھنس گئی اور پولیس کے ہتھے چڑھنے کے بعد کانسٹیبل سے تعلقات استوار کر لیے اپنی بے راہ روی کے باعث اس لڑکی کا شمار منفی کردار میں ہوتا ہے۔

اسی افسانے کا تھانیدار جس نے سارا معاملہ جان لینے کے بعد بے قصور ''حکیم جی'' کو ڈرا دھمکا کر رشوت وصول کر کے چھوڑ دیا اور لڑکی خود رکھ لی بھی منفی کردار ہے۔ افسانہ ''سود در سود'' کا ''کوڑیا مہاجن'' جو لوگوں کو سود کے جال میں مکڑی کی طرح جکڑ کر ان کو ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنا لیتا تھا بھی منفی کردار ہے۔ اسی افسانہ کا ''لالہ پکوڑی مل'' جو غلط طریقوں سے حاصل کیا گیا مال اونے پونے خریدتا اور زیور کے عوض قرضہ دیتا لیکن فصل پر نہ چھڑانے کی صورت میں بھٹی میں گلوا کر اینٹوں کی شکل میں گھر میں دفن کر لیتا تھا بھی منفی کردار ہے۔

حوالہ جات

۱۔محمد حسن عسکری، فلیپ، آئینہ، مصنف، ابوالفضل صدیقی، کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۶ء

۲۔ایضاً

۳۔انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص:۴۵۱

۴۔ابوالفضل صدیقی، آئینہ، ص:۳۴۔۳۵

۵۔ایضاً، ص:۳۵

۶۔ایضاً، ص:۲۵۱

۷۔ایضاً، ص:۲۵۳

۸۔ایضاً، ص:۲۸۰

۹۔ابوالفضل صدیقی، دن ڈھلے، لاہور: بک مارک پرائیویٹ لمٹیڈ، ۱۹۹۴ء، ص:۵۵

۱۰۔ایضاً، ص:۱۸۵

۱۱۔ایضاً، ص:۱۹۱

۱۲۔ابوالفضل صدیقی، دفینہ، کراچی: شہرزاد، ۲۰۰۷ء، ص:۷۷

۱۳۔ایضاً، ص:۷۸

۱۴۔ایضاً

۱۵۔ایضاً، ص:۸۸